itsurdu.blogspot.com

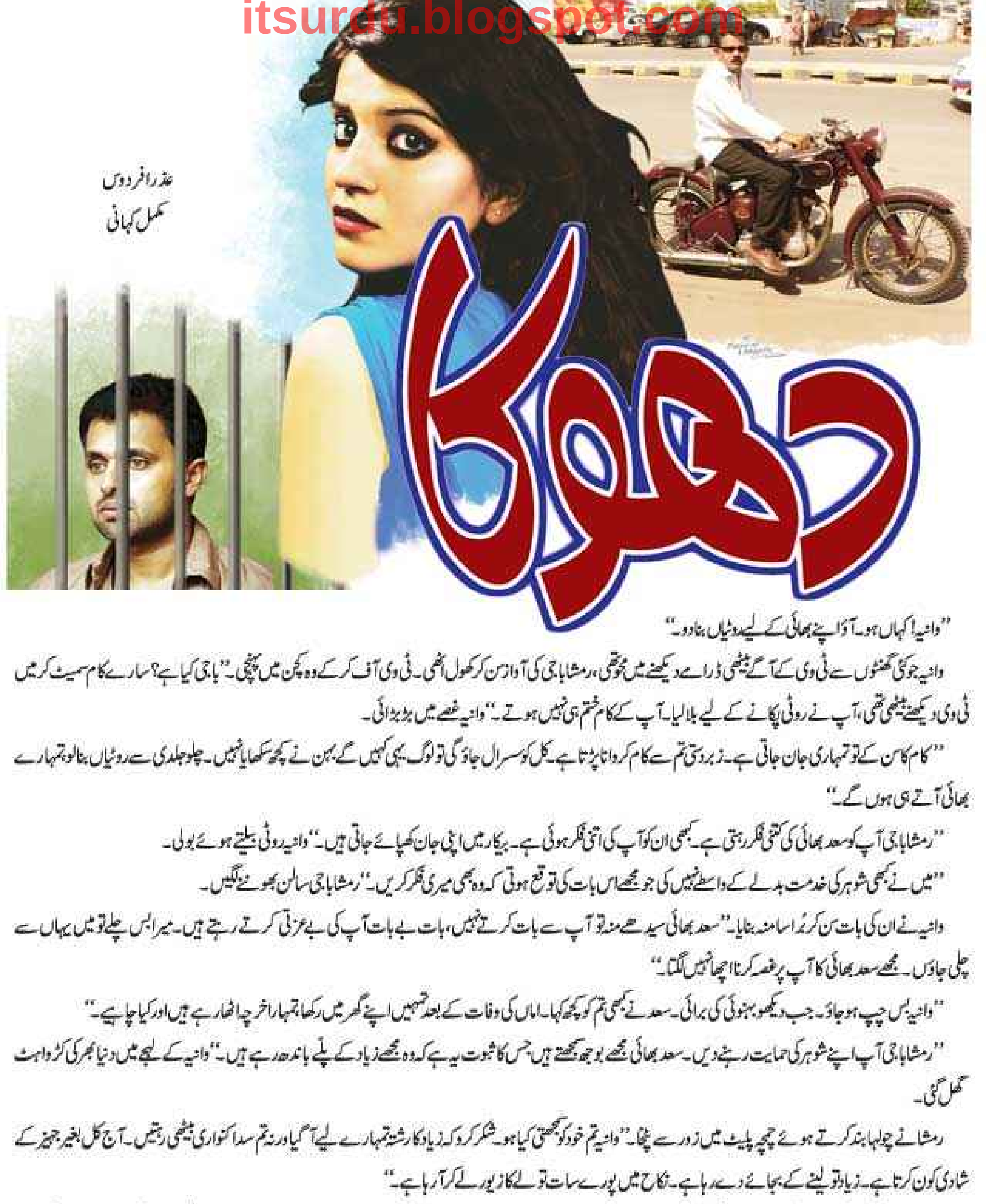

دھوکا

عذرا فردوس
مکمل کہانی

”وانیہ! کہاں ہو۔ آؤ اپنے بھائی کے لیے روٹیاں بنا دو۔“

وانیہ جو کئی گھنٹوں سے ٹی وی کے آگے بیٹھی ڈرامے دیکھنے میں محو تھی، رمشا باجی کی آواز سن کر کھول اٹھی۔ ٹی وی آف کر کے وہ کچن میں پہنچی۔ ”باجی کیا ہے؟ سارے کام سمیٹ کر میں ٹی وی دیکھنے بیٹھی تھی، آپ نے روٹی پکانے کے لیے بلا لیا۔ آپ کے کام ختم ہی نہیں ہوتے۔“ وانیہ غصے میں بڑبڑائی۔

”کام کاس کے تو تمہاری جان جاتی ہے۔ زبردستی تم سے کام کروانا پڑتا ہے۔ کل کو سسرال جاؤ گی تو لوگ یہی کہیں گے بہن نے کچھ سکھایا نہیں۔ چلو جلدی سے روٹیاں بنا لو، تمہارے بھائی آتے ہی ہوں گے۔“

”رمشا باجی آپ کو سعد بھائی کی کتنی فکر رہتی ہے۔ کبھی ان کو آپ کی اتنی فکر ہوئی ہے۔ بیکار میں اپنی جان کھپائے جاتی ہیں۔“ وانیہ روٹی بیلتے ہوئے بولی۔

”میں نے کبھی شوہر کی خدمت بدلے کے واسطے نہیں کی جو مجھے اس بات کی توقع ہوتی کہ وہ بھی میری فکر کریں۔“ رمشا باجی سالن بھوننے لگیں۔

وانیہ نے ان کی بات سن کر بُرا سا منہ بنایا۔ ”سعد بھائی سیدھے منہ تو آپ سے بات کرتے نہیں، بات بے بات آپ کی بےعزتی کرتے رہتے ہیں۔ میرا بس چلے تو میں یہاں سے چلی جاؤں۔ مجھے سعد بھائی کا آپ پر غصہ کرنا اچھا نہیں لگتا۔“

”وانیہ بس چپ ہو جاؤ۔ جب دیکھو بہنوئی کی برائی۔ سعد نے کبھی تم کو کچھ کہا۔ اماں کی وفات کے بعد تمہیں اپنے گھر میں رکھا، تمہارا خرچا اٹھا رہے ہیں اور کیا چاہیے۔“

”رمشا باجی آپ اپنے شوہر کی حمایت رہنے دیں۔ سعد بھائی مجھے بوجھ سمجھتے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ مجھے زیاد کے پلے باندھ رہے ہیں۔“ وانیہ کے لہجے میں دنیا بھر کی کڑواہٹ گھل گئی۔

رمشا نے چولہا بند کرتے ہوئے چمچہ پلیٹ میں زور سے پٹخا۔ ”وانیہ تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔ شکر کرو کہ زیاد کا رشتہ تمہارے لیے آ گیا ورنہ تم سدا کنواری بیٹھی رہتیں۔ آج کل بغیر جہیز کے شادی کون کرتا ہے۔ زیاد تو لینے کے بجائے دے رہا ہے۔ نکاح میں پورے سات تولے کا زیور لے کر آ رہا ہے۔“

”باجی آپ زیور اور کپڑوں کو دیکھ کر خوش ہوتی رہیں۔ مجھے پڑھا لکھا شوہر چاہیے نہ کہ اَن پڑھ اور آوارہ۔ زیاد سارا دن محلے کے لڑکوں کے ساتھ بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہتا ہے۔ کوئی کام تو کرتا نہیں۔ اس پر آپ دونوں کی تعریفیں سن کر یوں لگتا ہے جیسے مجھے زیاد سے بہتر لڑکا مل ہی نہیں سکتا تھا۔ آپ لوگوں نے مجھے بےوقوف سمجھ رکھا ہے جو......“

”بس کرو۔“ رمشا باجی غصے میں ہاتھ اٹھا کر وانیہ کی طرف بڑھیں۔ پھر کسی احساس کے تحت انہوں نے وانیہ پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ ”دیکھو وانیہ تم میری اکلوتی بہن ہو۔ اس ناتے تم مجھے بےحد عزیز ہو۔ زیاد اتنا بھی بُرا نہیں جتنا تم اُسے سمجھ رہی ہو۔ اس کے ابا دو دکانیں چھوڑ کر مرے ہیں، اچھا خاصا کرایہ آتا ہے۔ کل کو اُسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوگا تو وہ بھی کچھ نہ کچھ کرنے لگے گا۔ تم یہ دیکھو وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے اور تمہاری خاطر ہماری کئی شرائط ماننے کو تیار ہے۔“

وانیہ، رمشا کے چہرے کی طرف کچھ اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ اس کی سگی بہن نہ ہو، دشمن ہو۔ ”آپ کا اور سعد بھائی کا جو دل چاہے کریں، مجھے اب کچھ نہیں کہنا۔“ وانیہ یہ کہہ کر روٹیاں ہاٹ پاٹ میں رکھنے لگی۔ یہ بات وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ وہ دونوں کسی طرح اس رشتے سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ وہ اُسے بوجھ سمجھ کر جلد از جلد اُسے رخصت کر دینا چاہتے ہیں۔

وانیہ انٹر کر چکی تھی۔ وہ مزید پڑھنا چاہتی تھی، ساتھ ہی اس کی خواہش تھی کہ اس کی شادی کسی پڑھے لکھے لڑکے سے ہو۔ زیاد صرف میٹرک پاس تھا۔ اکلوتا بیٹا ہونے کے ناتے اس کی ماں نے اُسے پڑھانے کی بہت کوشش کی۔ کالج میں داخلہ بھی دلوایا مگر زیاد نے پڑھ کر نہ دیا۔ ”میرے ماں، باپ آج زندہ ہوتے تو میرے تمام خواب پورے ہوتے۔ زیاد کا رشتہ مجھے مجبوری میں قبول نہ کرنا پڑتا۔“ وانیہ کے دل سے ایک آہ نکلی۔ رمشا کچن سے جا چکی تھی۔ بےدلی سے وہ کچن میں پھیلے برتنوں کو سمیٹنے لگی۔

☆......☆......☆

”اچھا یہ بات ہے شرف الدین تمہاری دکان خالی کرنے کو تیار نہیں۔“ شہروز نے زیاد کی پوری بات سننے کے بعد کہا۔

”ہاں یار! میں سخت پریشان ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔ پہلے مجھے صرف دکانوں کے کرائے سے مطلب تھا۔ جب سے میرا نکاح ہوا ہے، مجھے کمانے کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ سعد بھائی کسی صورت رخصتی کی تاریخ نہیں دیں گے، جب تک میں سیٹ نہ ہو جاؤں۔“ زیاد فکرمندی سے بولا۔

”یار تُو پہلے تو کہتا تھا کہ دکانداری میرے بس کی بات نہیں۔“

”پہلے اور اب میں بہت فرق ہے۔ سفیان تو نہیں جانتا کہ محبت کیا چیز ہے۔ وانیہ کی خاطر تو میں نوکری بھی کر سکتا ہوں مگر مجھے کونسی نوکری ملے گی۔ پھر اپنی دکان کے ہوتے ہوئے میں نوکری کیوں کروں۔ اس لیے میں شرف الدین کے پاس گیا تھا مگر اس نے دکان خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس نے یہ کہا کہ وہ کرائے میں اضافہ کر سکتا ہے مگر دکان خالی نہیں کر سکتا۔ میں نے اُسے دھمکی بھی دی کہ میں اس کے خلاف کیس دائر کر دوں گا مگر اس نے میری دھمکی کا کوئی اثر نہیں لیا ہے۔ اب بتاؤ میں کیا کروں۔“

”ٹھیک ہے کہ کیس کرنے اور فیصلہ ہونے میں کافی وقت لگ جائے گا۔ کیوں نہ شرف الدین کو سبق سکھا دیا جائے۔ وہ باتوں سے ماننے والا نہیں ہے۔“ زیاد کے دوست سفیان نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

”کچھ بھی کرنا پڑے، مجھے اپنی دکان خالی کرانی ہے اور اس کے لیے مجھے تم دوستوں کی مدد کی ضرورت ہے۔“

”ٹینشن مت لے۔ شرف الدین کو ہم ایسا سبق سکھائیں گے کہ اُسے دکان خالی کرتے ہی بنے گی۔“ شہروز بولا۔

دو دن بعد ہی انہیں شرف الدین کو سبق سکھانے کا موقع مل گیا۔ رات کو شرف الدین کسی کام کے سلسلے میں گھر سے نکلا تو زیاد اور اس کے دوستوں نے شرف الدین کی خاصی پٹائی کر دی۔ وہ نیم بےہوشی کے عالم میں زمین پر گر پڑا۔ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے زیاد اور اس کے ساتھی فرار ہو گئے۔ انہیں پوری امید تھی کہ شرف الدین ان کے خلاف تھانے نہیں جائے گا۔ انہوں نے شرف الدین کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے دکان ایک ہفتے کے اندر خالی نہ کی تو وہ اس کی بیٹی کو اغوا کر لیں گے۔ زیاد جانتا تھا کہ شرف الدین فطری طور پر بزدل ہے، ان کی دھمکی کارگر ہوگی۔ وہ ایک ہفتے میں دکان خالی کر دے گا مگر یہ ان کی بھول تھی۔

شرف الدین نے زیاد اور اس کے دوستوں کے خلاف پولیس میں پرچہ درج کروا دیا کہ زیاد اور اس کے ساتھی اُسے جان سے مار دینا چاہتے ہیں۔ پرچہ درج ہوتے ہی پولیس زیاد کو گرفتار کر کے لے گئی۔

زندگی میں پہلی دفعہ زیاد کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جذبات میں آ کر اس نے جو غلط قدم اٹھایا تھا، اس پر وہ پشیمان تھا۔ سعد بھائی جیل میں اس سے ملنے کے لیے آئے۔ آتے ہی انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ”زیاد! میں نے وانیہ کا نکاح تم سے کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے، مجھے......“

زیاد نے ان کی بات کاٹ دی۔ ”سعد بھائی! آپ کو یہ نہیں لگ رہا جو کچھ میں نے کیا اس کے پیچھے وانیہ کو حاصل کرنے کا جذبہ موجود تھا۔ شرف الدین کسی طور دکان خالی کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں کیا کرتا، مجھے اپنا ذریعۂ معاش تلاش کرنا تھا۔ یہ سب کچھ میں نے اُسے دھمکانے کے لیے کیا تھا۔“

”بہت خوب تم لوگوں نے جس بُری طرح اُسے مارا، اس کے پیر کی ہڈی توڑ ڈالی۔ خدانخواستہ اگر چوٹ دماغ پر لگ جاتی اور وہ جان سے چلا جاتا تب کیا ہوتا۔“

”ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ ہم اُسے کونسا جان سے مارنا چاہتے تھے۔“ زیاد یکدم غصے میں آیا۔

”قاتلانہ حملے کا پرچہ تمہارے خلاف درج ہوا ہے۔ اس کی سزا تو تم بھگتو گے ہی، بہتر ہوگا کہ تم وانیہ کو طلاق دے دو۔“

”سعد بھائی! آئندہ یہ بات مت کہیے گا۔ بہتر ہوگا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔“ زیاد خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

سعد نے اس کے تیور دیکھتے ہوئے اس سے مزید کوئی بات نہیں کی مگر دل میں وہ یہ ارادہ کر چکے تھے انہیں یہ رشتہ ہر صورت ختم کرنا ہے۔

☆......☆......☆

زیاد کے جیل جانے کی خبر سن کر وانیہ نے سکون کا سانس لیا۔ اُسے ایک موقع مل گیا۔ زیاد کے ساتھ اپنے نکاح پر وہ ویسے ہی خوش نہیں تھی، اب اُسے یہ امید ہو چلی تھی کہ جلد یا بدیر یہ نکاح ختم ہو جائے گا۔

”رمشا باجی! میں اسکول میں پڑھانا چاہتی ہوں۔“ ایک دن اچانک وہ چاول چنتے ہوئے بولی۔

”کیوں......؟ یہاں تمہیں کھانے پینے کی تکلیف ہے، کسی قسم کی کمی ہے۔“

”ہرگز نہیں۔ ارادہ میرا آگے پڑھنے کا تھا مگر میں جانتی ہوں کہ آپ اور بھائی ہرگز راضی نہ ہوں گے، اس لیے سوچ رہی ہوں کم از کم اسکول میں پڑھا لوں، اسی بہانے کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔“

”میں سعد سے بات کروں گی، تم کالج میں ایڈمیشن لے لینا۔ میں جانتی ہوں تم پریشان ہو۔ جو کچھ ہوا، غلط ہوا۔ اچھا ہے پڑھائی کے بہانے تمہیں مصروفیت مل جائے۔“

”باجی! میں زیاد سے طلاق چاہتی ہوں۔ یہ بات آپ اور سعد بھائی اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں نے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا مگر زیاد نے جو حرکت کی ہے، اس کے بعد اب مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔“

”ہاں ایسا ہی ہوگا۔ صبر کرو، اتنی جلدی یہ کام نہیں ہوگا۔ زیاد آسانی سے طلاق نہیں دے گا۔“ رمشا باجی اس کے بدلے ہوئے انداز دیکھ رہی تھیں۔

”میں عدالت میں جاؤں گی، دیکھتی ہوں کہ وہ کیسے میری جان نہیں چھوڑتا۔“ وانیہ نے ٹرے اٹھائی اور اندر چلی گئی۔

”یہ وانیہ بھی دن بدن چڑچڑی ہوتی جا رہی ہے۔ سعد سے بات کر کے اس کا داخلہ کروانا ہوگا۔ بلاوجہ اس لڑکی نے زیاد کو اپنے ذہن پر سوار کر لیا ہے۔ جب دیکھو اسی کا ذکر لے بیٹھتی ہے۔“ رمشا باجی نے بڑبڑاتے ہوئے تکیہ گھسیٹا اور تخت پر لیٹ گئیں۔ ذہن بدستور وانیہ میں الجھا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی میں کبھی ایک لمحہ انسان کی تقدیر کو بدل دیتا ہے۔ یہی وانیہ کے ساتھ ہوا تھا۔ سعد نے اس کا ایڈمیشن کالج میں کروا دیا تھا اور وہ بہت خوش تھی۔ کالج میں اس کی کئی لڑکیوں سے دوستی ہو گئی تھی۔

ہفتے کے دن وہ کالج سے لوٹی تو کچھ پریشان سی تھی۔ ”کیا بات ہے وانیہ! تمہاری شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔“ رمشا باجی نے اس کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ بات رمشا باجی سے شیئر کرے یا نہ کرے۔ ”کچھ نہیں، بس ایسے ہی سر میں درد ہو رہا ہے۔“ اس نے بہانہ بنایا۔

”باہر دھوپ بھی تو بہت تیز ہے۔ تم یونیفارم تبدیل کر کے آرام کرو، میں تمہارے لیے شربت لاتی ہوں۔“

وانیہ فوراً اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اندر جاتے ہی اس نے بیگ بستر پر پٹخا۔ ”عجیب مصیبت ہے۔ جانے وہ کون لڑکا ہے جو مجھے تین دن سے راستے میں کھڑا نظر آ رہا ہے۔ باجی کو بتاؤں گی تو وہ مجھے گھر بٹھا دیں گی۔“ وہ بستر پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔ ”کچھ بھی ہو، مجھے اُسے نظرانداز کرنا چاہیے۔ جب میری جانب سے اُسے کوئی توجہ نہیں ملے گی تو خود ہی کسی اور لڑکی کی طرف راغب ہو جائے گا۔ مجھے اس سے قطعاً خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔“ وانیہ فیصلہ کن لہجے میں بڑبڑائی اور خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

اگلے دن وہ اُسے کالج سے واپسی میں نہیں دکھائی دیا۔ کئی ہفتے گزر گئے۔ منگل کا دن تھا، شہر کے خراب حالات کے باعث کالج کی جلد چھٹی کر دی گئی۔ وانیہ کالج سے نکلتے ہی تیزی سے اسٹاپ پر پہنچی تو توقع کے خلاف اُسے فوراً ہی بس مل گئی۔ بس میں بیٹھتے ہی وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اچانک ڈرائیور نے بس روک دی۔ ”تمام مسافر اتر جائیں، آگے راستہ بند ہے۔“ کنڈیکٹر چلایا۔

وانیہ اپنا بیگ سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ بس سے اتر کر وہ پیدل چلنے لگی۔

”محترمہ! سنیے۔“ اُسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی۔ وہ پیچھے مڑی تو ہکا بکا رہ گئی۔ اس کے سامنے وہ نوجوان کھڑا تھا جو اُسے اس سے پہلے اپنے راستے میں کھڑا دکھائی دیا تھا۔ ”محترمہ میری بات سن لیجیے، ناراض نہ ہوں۔“

وانیہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ ایک وہم نے فوراً سر اٹھایا کہ شاید یہ موصوف اظہارِ عشق کے چکر میں ہیں۔

”یہاں سے جائیں، مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔“ ناراضی وانیہ کے لہجے سے ظاہر تھی۔

”میں تو اس مشکل وقت میں آپ کی مدد کرنا چاہ رہا تھا۔ حالات بہت خراب ہیں، آپ گھر کیسے جائیں گی۔ آپ چاہیں تو میں آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دوں۔“ وہ اس کی بات پوری سنے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ فٹ پاتھ پر کافی لوگ پیدل چل رہے تھے۔ وانیہ بھی ایک طرف چلنے لگی۔ سرد موسم کے باوجود اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ ”ابھی تو بہت لمبا راستہ ہے، میں کتنا پیدل چلوں گی۔“ وہ اپنے اندر چلنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔

یکلخت اُسے ٹھوکر لگی اور وہ زمین پر گر گئی۔ آس پاس چلنے والے لوگ اُسے دیکھنے کے لیے رک گئے۔ وہ خجل سی ہو کر خود کو سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اٹھ کر اس نے چلنے کی کوشش کی مگر اس سے ٹھیک طرح سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”آئیں بیٹھ جائیں، پلیز ضد نہ کریں۔“ اُسے پھر اس نوجوان کی آواز سنائی دی۔ وانیہ نے نظر اٹھائی۔ وہ اُسے سڑک کے پاس کھڑا نظر آیا۔ وہ کچھ سوچے بغیر بائیک پر بیٹھ گئی۔

”کہاں جانا ہے، راستہ بتائیں۔“

”سیدھا چلیں، آگے موڑ آئے گا تو بائیں جانب مڑ جائیے گا۔“ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ ”مجھے دائم کہتے ہیں۔ میرا دوست آپ کے علاقے میں رہتا ہے۔“ وانیہ اس کی بات سن کر کچھ نہیں بولی۔

گھر کے نزدیک پہنچ کر دائم نے اُسے گلی کے موڑ پر اتار دیا۔

”شکریہ۔“ وہ تیزی سے گلی کی طرف بڑھنے لگی۔

☆......☆......☆

”بہت دیر ہو گئی ہے۔ باجی سخت غصہ ہوں گی۔ انہوں نے کہا تھا کہ مغرب سے پہلے لوٹ آنا۔“ وانیہ نے اپنی سہیلی ثناء سے کہا۔

”ہونے دو، بازار میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔ تمہیں سینڈل بھی تو لینا تھی؟“

”نہیں ثناء! میرے پاس پیسے نہیں بچے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں، تم مجھ سے لے لو۔ کالج کے فنکشن میں پہننے کے لیے تم نے نیا ڈریس لیا ہے تو سینڈل بھی نئی لے لو۔ ویسے تم میرون سوٹ میں بہت پیاری لگو گی۔“

”پیاری تو یہ بہت ہیں۔ دل چاہ رہا ہے انہیں دیکھتے ہی جائیں۔“ ثناء کی بات مکمل ہوتے ہی وانیہ کے عقب میں کھڑے لڑکے نے جملہ کسا۔ وہ شکل سے ہی آوارہ نظر آ رہا تھا۔

”شٹ اپ۔“ وانیہ کے منہ سے بےاختیار نکلا اور وہ ثناء کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔

”آپ کچھ بھی کہیں، میں بُرا نہیں مانوں گا کیونکہ میرا دل آپ کے پاس ہے۔“ وہ لڑکا ان دونوں کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

”مسئلہ کیا ہے؟ ہٹو سامنے سے۔“ ثناء چلائی۔

”مسئلہ صرف اتنا سا ہے کہ مجھے آپ کی دوست اچھی لگی ہیں۔ ان سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ مخمور لہجے میں بولا۔

”راستہ چھوڑو ورنہ بہت بُرا ہوگا۔“ وانیہ یکدم طیش میں آ گئی۔ دوسری سائیڈ سے اس نے نکلنے کی کوشش کی تو اس لڑکے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اسی وقت ایک تھپڑ اس کے گال پر پڑا۔ ”شرم نہیں آتی سر بازار لڑکیوں کو تنگ کرتے ہو۔“ وانیہ حیرت سے دائم کو دیکھنے لگی۔ وہ یہاں اچانک کیسے آ گیا۔ پچھلے ایک مہینے سے وہ اُسے دکھائی نہیں دیا تھا۔ دائم نے دو چار تھپڑ اُسے مزید لگائے۔ وہ تیزی سے بھاگ نکلا۔ ”آپ لڑکیوں کو اس وقت بازار میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کتنے آوارہ لڑکے یہاں گھوم رہے ہوتے ہیں۔ آئیے میں آپ کو آپ کی مطلوبہ بس میں سوار کروا دوں۔“

وہ دونوں سر جھکائے اس کے پیچھے چل دیں۔ گھر پہنچ کر وانیہ، دائم کے بارے میں سوچتی رہی۔ میں کتنی بےوقوف ہوں، اس کا شکریہ تک ادا نہیں کیا۔ اب اگر کبھی ملا تو ضرور اپنی اس غلطی کی تلافی کروں گی۔

اگلے دن کالج جانے کے لیے وانیہ گھر سے نکلی تو اس کے دل میں یہ خواہش شدت سے جنم لے رہی تھی کہ اس کی دائم سے ملاقات ہو جائے۔ اپنے دل کی اس انوکھی خواہش پر وہ خود حیران تھی۔

پہلی بار اس نے دائم کو جب دیکھا تھا تو اس کے خیالات اس کے متعلق اچھے نہ تھے مگر اب وہ اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا۔

کالج کے قریب اسٹاپ پر اترتے ہی اُسے احساس ہوا جیسے وہ کسی کی نظروں کے حصار میں ہے۔

”سنیے مس۔“ وانیہ نے بوکھلا کر دیکھا تو دائم سامنے کھڑا تھا۔

”آپ یہاں؟“

”ہاں آفس جانے کے لیے نکلا تھا۔ کل آپ خیریت سے گھر پہنچ گئی تھیں۔“

”جی بالکل آپ کا بہت شکریہ آپ نے میری مدد کی۔“

”اس میں شکریہ ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کا نام کیا ہے۔“

”وانیہ...... مجھے دیر ہو رہی ہے، چلتی ہوں۔“

”اگر آپ بُرا نہ مانیں تو مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دیں۔“ وانیہ نے ایک لمحے کی دیر نہیں لگائی۔ جھٹ اپنا نمبر لکھ کر اُسے تھمایا اور کالج کے گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ وہ اپنے اندر ہونے والی اس تبدیلی پر حیران بھی تھی۔ بغیر سوچے اس نے اپنا نمبر کیسے ایک اجنبی کو دے دیا۔ وہ ایسی لڑکی ہرگز نہیں تھی جو فوراً کسی پر بھروسہ کر لیتی۔

اسی رات دائم نے وانیہ کو کال کی۔ اس نے وانیہ کو بتایا کہ وہ سرگودھا کا رہائشی ہے اور لاہور میں ملازمت کی غرض سے اپنے ایک دوست کے ساتھ رہ رہا ہے۔ دائم نے یہ بھی بتایا کہ وہ پیشے کے لحاظ سے سیلزمین ہے۔ وانیہ بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے دائم کے بارے میں جاننا اچھا لگ رہا تھا۔

ایک گھنٹے کی طویل گفتگو کے بعد جب دائم نے موبائل آف کیا تو وانیہ اس کے سحر میں پوری طرح گرفتار ہو چکی تھی۔ اس وقت اس کے دل میں یہ خواہش شدت سے جاگ چکی تھی کہ وہ دائم کے ساتھ روز گھنٹوں بیٹھی باتیں کرتی رہے۔

اس دن کے بعد سے ان دونوں کے درمیان بےتکلفی بڑھتی گئی۔ وانیہ اب اکثر کالج سے واپسی پر اس سے ملتی تھی۔ تین ماہ کے عرصے میں وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جان چکے تھے۔

دائم نے وانیہ کو یہ بھی بتایا کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے، اس کی منگیتر خالہ زاد ہے اور یہ خالصتاً اس کی ماں کی پسند ہے ساتھ ہی اس نے وانیہ کو پرپوز بھی کیا تھا۔

”میں ابھی تم کو کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ جب تک زیاد مجھے طلاق نہیں دے دیتا۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“ وانیہ نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ دائم کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھی تھی اور کالج جانے کے بجائے دائم کے ساتھ گھومنے میں مصروف تھی۔

”یہ کونسا مشکل کام ہے۔ جس طرح کی چوئیشن تم نے بتائی ہے، عدالت سے خلع تمہیں بآسانی مل جائے گا۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر میری طرف سے کیس کون دائر کرے گا۔ پہلے میرے بہنوئی چاہ رہے تھے کہ یہ تعلق ٹوٹ جائے مگر اب مجھے یوں لگ رہا ہے وہ زیاد کی رہائی کے بعد مجھے اس کے ساتھ ہی رخصت کر دیں گے۔“

”مگر تم تو زیاد کے ساتھ جانا نہیں چاہتیں۔ تم اپنی باجی سے بات کرو۔“ دائم نے مشورہ دیا۔

”باجی سے میں کئی بار کہہ چکی ہوں۔ وہ ایک ہی جواب دیتی ہیں کہ زیاد مجھے طلاق دینے پر آمادہ نہیں۔“

”کچھ بھی ہو تم اس معاملے میں اپنے بہنوئی سے دوٹوک بات کرو۔ میں نے ایسے کئی وکیلوں کے متعلق سن رکھا ہے جو انسانی ہمدردی کے تحت مفت کیس لڑتے ہیں۔ اگر تمہارے بہنوئی اور بہن تمہارا ساتھ نہیں دیتے تو اس سلسلے میں، میں خود تمہاری مدد کروں گا۔“ دائم نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

وانیہ کو یوں لگا کہ بہت جلد اس کی زیاد سے جان چھوٹنے والی ہے۔ دوپہر کو دائم نے اُسے گھر سے کچھ دور ڈراپ کر دیا۔ ”کاش دائم کے ساتھ میں روز اسی طرح بےفکری سے گھومتی رہوں۔“ گھر جاتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

وانیہ خوشی سے سرشار تھی۔ دائم سے دوستی کے بارے میں اس نے اپنی کسی سہیلی کو نہیں بتایا تھا کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ اگر کسی کو اپنا راز بتا کر یہ کہا جائے کہ وہ یہ بات کسی اور کو نہ بتائے تو یہ حد سے زیادہ بےوقوفی ہوگی۔ اس وجہ سے اپنی خوشی کو وہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتی تھی۔ دائم کا اُسے پرپوز کرنا ساتھ ہی اس بات کی یقین دہانی کہ وہ زیاد سے اس کی جان چھڑا دے گا، وانیہ کی خوشی کا باعث تھی۔

itsurdu.blogspot.com

رات کو وانیہ نے سعد سے زیاد کے سلسلے میں بات کی۔ ”بہت ہو چکا۔ آپ میرے معاملے میں جس سست روی سے کام لے رہے ہیں، اس سے یوں لگتا ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ میرا زیاد سے جڑا رشتہ ختم نہ ہو۔“

اس وقت تمام گھر والے کھانا کھا رہے تھے۔ سعد کا ہاتھ روٹی توڑتے ہوئے رک گیا۔ ”تم ٹھیک سمجھ رہی ہو۔ شریف لڑکیاں طلاق اپنے منہ سے نہیں مانگتیں۔ زیاد نے مجھے یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا اور آئندہ اس کی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہیں ہوگی جس پر ندامت ہو۔ آئندہ تم طلاق کے موضوع پر گفتگو مت کرنا۔“

”آپ کیا چاہتے ہیں۔ مجھے اب آپ کے کسی مشورے پر عمل نہیں کرنا۔ میں زیاد کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ آپ لوگوں نے مجھے اس سے چھٹکارا نہیں دلایا تو میں خود اس سلسلے میں اس پر کیس دائر کر دوں گی۔“

وانیہ کو غصہ آ گیا۔ وہ بولی۔ ”یہ کس طرح بات کر رہی ہو تم ان سے۔ تمیز ہے تمہیں۔“

”آپ خاموش رہیں، یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔ بجائے آپ میرا ساتھ دینے کے الٹا اپنے شوہر کی حمایت کر رہی ہیں۔ کیسی بہن ہیں آپ؟“

سعد یکدم بھڑک اٹھے۔ ”میں نے کہہ دیا زیاد کے رہا ہوتے ہی تمہاری اس کے ساتھ رخصتی ہوگی۔ تمہیں کورٹ میں جانا ہے تو خود ہی اپنا یہ شوق پورا کر لو۔ میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا۔“ سعد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ وانیہ کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ کھانا کھانے لگی۔ سعد سے اُسے یہی امید تھی۔ اب اُسے جو کچھ کرنا تھا، اپنے بل بوتے پر کرنا تھا۔

☆......☆......☆

”اُف خدایا۔“ پروفیسر شمسہ کے کلاس سے نکلتے ہی وانیہ نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ ”ایک تو یہ سوشیالوجی کی مس نجانے لیکچر دیتی ہیں یا لوری؟ میری تو پورے پیریڈ میں حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس قدر نیند آ رہی تھی کہ کیا بتاؤں؟ باقاعدہ جھول رہی تھی میں۔“ اتنا کہہ کر وانیہ نے سر ڈیسک پر رکھ دیا۔

اس کی بیسٹ فرینڈ مائرہ حیرانی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ ”میں تمہیں دیکھ کر سوچ رہی ہوں چند مہینوں سے تمہیں کلاس کے دوران کچھ زیادہ ہی نیند آنے لگی ہے۔“

”ہاں۔“ وانیہ سر اٹھاتے ہوئے تھکے تھکے انداز میں بولی اور پھر اپنی کتاب بیگ میں ڈالنے لگی۔

”وانیہ! تمہاری آنکھوں کے گرد حلقے بھی پڑ رہے ہیں۔ تم کیا سوتی نہیں ہو؟ اتنی پیاری آنکھیں ہیں تمہاری، ان کا خیال رکھا کرو۔“

”کیا کروں مائرہ! مجھے نیند نہیں آتی۔“ اس نے سرد آہ بھری اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر بولی۔ ”چلو مائرہ کینٹین چلتے ہیں۔“ وانیہ نے اس کی ممکنہ تفتیش کے پیش نظر بات بدلتے ہوئے کہا۔

”کینٹین کیوں جی۔ انگلش کی کلاس نہیں اٹینڈ کرنی کیا؟“

”نہیں میرا موڈ نہیں ہو رہا۔“ وہ بیزاری سے بولی۔

”چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“ مائرہ بیگ اٹھانے لگی۔ کینٹین میں جا کر وانیہ نے بیگ سے موبائل نکالا اور کسی کو میسج کرنے لگی۔

”تم تو کہہ رہی تھیں کہ تمہارے بہنوئی کافی کنجوس ہیں پھر انہوں نے موبائل کیسے دلا دیا۔“ مائرہ حیرت سے اس کے اسٹائلش موبائل کو دیکھ رہی تھی۔

”میرے بہنوئی نے مجھے یہ موبائل نہیں دلایا بلکہ میرے دوست نے گفٹ کیا ہے۔“ وانیہ، مائرہ کو دائم کے بارے میں بتانے لگی۔

مائرہ غیر یقینی حالت میں اس کی گفتگو سننے لگی۔ ”وانیہ تم کیا واقعی سچ کہہ رہی ہو۔“ وانیہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”تم پاگل ہو گئی ہو۔ کتنی آسانی سے تم نے ایک اجنبی شخص سے دوستی کر لی اور اس سے ملاقاتیں کرتی پھرتی ہو۔ میں تو تمہیں اچھی لڑکی سمجھتی تھی۔“

”توبہ ہے تم سے! اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے جو تم یوں ری ایکٹ کر رہی ہو۔ تقدیر کی طرف سے مجھے موقع مل رہا ہے، میں اپنی قسمت کیوں نہ بدلوں۔“ وانیہ نے بےپروائی سے کندھے اُچکائے۔

”وانیہ! اب بھی وقت ہے سوچ لو۔ یہ شخص تمہیں بےوقوف بنا رہا ہے۔ تم اس کے دکھائے سہانے خوابوں میں کھو گئی ہو۔ جانے کتنی لڑکیوں سے اس نے محبت کے دعوے کیے ہوں گے۔“

”محبت کرنے والوں کو سمجھانا اچھے اچھوں کے بس کی بات نہیں اور ویسے بھی ہم دونوں کی بہت اچھی انڈراسٹینڈنگ ہے اس لیے کسی کی باتوں میں آ کر میں دائم کا ساتھ چھوڑنے سے رہی۔“

”وانیہ، میرا کام تمہیں سمجھانا ہے۔ تم بہت بھولی ہو، اس شخص کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئی ہو۔ وہ تم سے شادی نہیں کرے گا۔ ایسے آدمی صرف وقت گزاری کے لیے دوستی کرتے ہیں۔ میرا مشورہ مانو، اس سے ہوٹلوں میں ملنے کی ضرورت نہیں۔ کسی نے دیکھ لیا تو تمہاری بدنامی ہوگی۔“ مائرہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

”مائرہ تمہاری رائے دائم کے بارے میں غلط ہے۔ وہ ایک اچھا شخص ہے اور مجھ سے مخلص ہے۔ وہ مجھ سے سچی......“ وانیہ دائم کا دفاع کرنا چاہ رہی تھی۔

مائرہ نے ٹوک دیا۔ ”پلیز وانیہ! آگے ایک لفظ بھی مت کہنا۔ مجھ میں یہ بیکار باتیں سننے کی تاب نہیں۔“

”اوکے...... اوکے، چلو کوئی اور بات کرتے ہیں۔ موسم کی، رنگوں کی، خوابوں کی۔“ اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

”وانیہ یہ تمام موسم یہیں رہ جائیں گے۔ جن بہاروں کے خواب تم دیکھ رہی ہو ان کی تعبیر خزاں کے سوا کچھ نہیں۔“

”اچھا ان باتوں کو چھوڑو، مجھے سوشیالوجی کے نوٹس چاہئیں تم نے فوٹو کاپی کروا دی تھی۔“ وانیہ نے موضوع بدلا۔

”جی بالکل تمہارا کام ہو اور میں نہ کروں۔ پہلے کچھ کھا لیتے ہیں پھر تم نوٹس چیک کر لینا۔“ مائرہ نے اپنا موڈ درست کرنے کی کوشش کی۔

اس دن دوپہر کو وانیہ کالج سے باہر نکلی اُسے دائم دور دور تک دکھائی نہ دیا، حالانکہ رات اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس سے چھٹی کے وقت ملے گا۔ بوجھل قدموں سے وہ اسٹاپ کی طرف روانہ ہو گئی۔ دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے مائرہ کو دائم کے بارے میں نہیں بتانا چاہیے تھا۔ دائم نے اُسے منع بھی کیا تھا۔ ”دائم کو کیا پتا کہ میں نے اپنی دوست کو اس کے بارے میں بتایا ہے۔“ اس نے دل میں خود کو تسلی دی۔

اسٹاپ پر پہنچتے ہی اُسے اپنی مطلوبہ بس مل گئی۔ سفر کے دوران بھی وہ دائم کے متعلق سوچتی رہی۔ اسٹاپ سے گھر تک کا فاصلہ طے کرتے ہوئے بھی وہ ادھر اُدھر نظریں دوڑاتی رہی کہ شاید دائم نظر آ جائے۔ اس کا موبائل آف تھا۔ وانیہ نے اُسے میسج کیا تھا جس کا جواب اُسے موصول نہیں ہوا تھا۔ گھر پہنچتے ہی اس کا موڈ آف ہو گیا۔ گھر میں داخل ہو کر اس نے باجی کو سلام کیا اور بیگ ایک طرف پٹخ دیا۔ اندر کمرے سے تیز میوزک کی آواز سن کر اس کا دماغ گھوم گیا۔ پانی پی کر اس نے اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

”کیا بات ہے، بہت غصے میں ہو؟“ رمشا تخت پر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ ”آپ اپنے لاڈلے زین کو نہیں سمجھا سکتیں، اتنی تیز آواز میں ڈیک بجا رہا ہے، لگ رہا ہے کان کے پردے پھٹ جائیں گے۔“

”اچھا تو تمہارے غصے کی وجہ زین ہے۔ میں کچھ اور ہی سمجھی تھی۔ زین تو روز ہی اتنی تیز آواز میں میوزک سنتا ہے۔“ رمشا باجی طنزیہ لہجے میں بولیں۔ وانیہ یکدم اٹھی اور اندر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اندر گھستے ہی اس نے ڈیک کا پلگ سوئچ سے نکال دیا۔ میوزک کی آواز رکتے ہی سناٹا چھا گیا۔ ”یہ کیا شور مچا رکھا ہے؟ گھر میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں۔“

”کیا مسئلہ ہے خالہ۔ آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔ بہت جلد آپ کی اس گھر سے جان چھوٹ جائے گی۔ ابو بتا رہے تھے زیاد خالو جلد ہی رہا ہونے والے ہیں۔ شکر ہے آپ یہاں سے جلد چلی جائیں گی۔“

زین کے اس انکشاف پر وہ بل کھا کر رہ گئی۔ ”میں اس گھر سے رخصت ہوں گی مگر زیاد کے ساتھ نہیں۔“ اس نے زین کو ایک تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔

”وانیہ کھانا کھا لو۔“ کچن سے رمشا کی آواز آئی تو وانیہ پیر پٹختی زین کے کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

زیاد فرش پر لیٹا کروٹیں بدل رہا تھا۔ وکیل کی زبانی اُسے خوشخبری مل گئی تھی کہ بہت جلد وہ رہا ہو جائے گا۔ رہائی کا تصور کرتے ہی اس کی نگاہوں کے سامنے وانیہ کی صورت آ گئی۔ وانیہ کو پانے کی خواہش میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ جتنی شدت سے وانیہ کی محبت میں گرفتار تھا، کیا وانیہ بھی اُسے اتنا ہی چاہتی ہے، یہ سوال اکثر اس کے ذہن میں اٹھتا۔ جواب میں اُسے اپنے دوست تیمور کی کہی ہوئی بات یاد آ جاتی۔ ”زیاد تُو مجھ سے شرط لگا لے وانیہ کبھی تیری نہیں بنے گی۔ تُو اپنا دل نکال کر بھی اس کے سامنے رکھ دے گا تب بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میری بہن وانیہ کی گہری سہیلی ہے، وانیہ کے خیالات بہت اونچے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا یہ رشتہ آگے چل سکے گا۔“

اگلے لمحے زیاد کے ذہن نے تیمور کی بات کو جھٹلا دیا۔ ”ہو سکتا ہے وہ محض حسد میں یہ بات کہہ رہا ہو۔ میری شادی محلے کی سب سے خوبصورت لڑکی سے ہونے کی وجہ سے اُسے مجھ سے رقابت محسوس ہو رہی ہو لیکن خود اس کی منگیتر بھی تو خوبصورت ہے۔ وہ بھلا مجھ سے کیوں حسد کرے گا۔“ زیاد کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات آ رہے تھے۔ ”کچھ بھی ہو، وانیہ کو اگر میں پسند نہیں تھا تو اُسے نکاح سے انکار کر دینا چاہیے تھا۔ مجبوری میں اگر اس نے مجھے قبول کر لیا ہے تو میں ایک دن اپنی محبت سے اس کے دل میں جگہ بنا لوں گا۔“ زیاد نے منتشر خیالات سے بچنے کے لیے اپنی سوچ کو نیا رخ دیا۔ بہت جلد وہ اپنوں کے درمیان ہوگا۔ اس جہنم سے اُسے نجات مل جائے گی۔ یہ سوچ کر ایک خوشگوار احساس نے اس کے ذہن میں جنم لیا۔ اس احساس کے ساتھ ہی وہ نیند کی وادیوں میں اترنے لگا۔

☆......☆......☆

”بہت جلدی فون کرنے کا خیال آ گیا؟“ وانیہ درشت لہجے میں بولی۔ پچھلے ایک ہفتے سے دائم نے اس سے ملاقات کی تھی اور نہ ہی اُسے کال کی تھی۔ ”کیا کروں، بہت مصروف تھا، تم سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکا۔“

”دائم، میں بہت پریشان ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ تم زیاد سے چھٹکارہ دلانے میں میری مدد کرو گے مگر تم ہو کہ فون بند کر کے بیٹھ جاتے ہو۔“

”وانیہ میں کئی مرتبہ تمہیں کہہ چکا ہوں کہ میں خود تم سے رابطہ کروں گا پھر تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔“ وہ سرد لہجے میں بولا۔

”میں نے تو تمہیں جب بھی فون کیا ہے، تمہارا موبائل بند ملا ہے۔ یہ کیسی دوستی ہے تمہارا جب دل چاہے، مجھ سے بات کر لیتے ہو، میں چاہنے کے باوجود تم سے بات نہیں کر سکتی؟“

”چھوڑو اس بحث کو کچھ دل کی باتیں کر لیتے ہیں۔“

”ان باتوں سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ زیاد جیل سے رہا ہونے والا ہے۔ اس کے رہا ہوتے ہی میری رخصتی ہو جائے گی۔ پلیز دائم تم مجھے اس مشکل سے نکالو۔ بتاؤ کب ملوا رہے ہو مجھے وکیل سے۔“ وانیہ روہانسی ہو گئی۔

”وکیل کے جھنجھٹ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، زیاد کو جیل سے باہر نکلتے ہی ٹھکانے لگا دیتا ہوں۔“ وہ مکروہ قہقہہ لگا کر بولا۔

”دائم، زیادہ اوور ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک تو تم وقت بےوقت انتہائی بےوقوفی کی باتیں کرنے لگتے ہو۔ تمہیں موقع کی نزاکت کا احساس نہیں۔ میں سخت ٹینشن میں ہوں۔“

”ہاں مجھے احساس ہے، میں تو تمہاری ٹینشن دور کر رہا تھا۔ فی الحال میرے پاس فرصت نہیں کہ میں تمہیں کسی وکیل سے ملوا سکوں۔“ دائم کا لہجہ روکھا ہو گیا تھا۔ ”دائم، جب تک زیاد کا تعلق مجھ سے ختم نہیں ہوتا میں تمہاری نہیں ہو سکتی۔“

”وقت آنے پر یہ تعلق خود بخود ختم ہو جائے گا۔ میں نے کہا نہ تم زیاد کی ٹینشن نہ لو۔“

”دائم! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں نے تمہارے بارے میں اپنی سہیلی کو بتا دیا۔ نجانے اس دن مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں نے اس کے سامنے تمہارا ذکر کر دیا۔ وہ مجھے سمجھانے لگی کہ مجھے تم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ بعد میں مجھے افسوس ہوا کہ میں نے خوامخواہ اس کے سامنے تمہارا ذکر کیا۔“ وانیہ نے گفتگو کا موضوع یکدم بدلا۔

دائم اس کی بات سن کر بھڑک اٹھا۔ ”کیا ضرورت تھی۔ میں نے منع کیا تھا نہ تمہیں کہ تم کسی کے سامنے میرا ذکر مت کرنا۔ ایک تو تم لڑکیاں کسی بات کو راز نہیں رکھ سکتیں۔ جب تک چار کو نہ بتا دیں، انہیں سکون نہیں ملتا۔“

”دائم! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں کسی کو اپنی پرسنل باتیں نہیں بتاتی۔“ وہ اس کا موڈ بگڑتے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

”اچھا مجھے کام ہے، فون بند کر رہا ہوں۔“

”سنو دائم تمہارا کوئی اور نمبر ہے تو مجھے بتا دو، ہر وقت تو یہ نمبر بند رہتا ہے۔“

دائم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔

☆......☆......☆

تیسری بار نام پکارنے کے باوجود خاموشی رہی تو مس ثمینہ نے حیرت سے سر اٹھا کر دیکھا۔ ”مائرہ! وانیہ کافی دنوں سے کالج نہیں آ رہی۔ کیا پرابلم ہے انہیں؟“

”پتا نہیں میڈم۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ وانیہ کالج آتی ہے، کچھ کلاسیں اٹینڈ کرتی ہے لیکن دو دن سے وہ کوئی کلاس نہیں لے رہی تھی۔ کالج کے کسی گوشے میں بیٹھی رہتی تھی۔ مس ثمینہ نے رجسٹر بند کیا اور تیزی سے نکل گئیں۔

”تم نے میڈم کو بتایا کیوں نہیں کہ وانیہ کالج تو آتی ہے مگر کلاس اٹینڈ نہیں کرتی۔“ مس ثمینہ کے جانے کے بعد فائزہ نے کہا۔

”مجھے کیا پڑی اس کے معاملے میں دخل اندازی کرنے کی۔ اس کی مرضی وہ کلاس لے یا نہ لے۔“ مائرہ بولی اور بیگ اٹھا کر وانیہ کی تلاش میں نکل گئی۔ آخر وہ کالج کے آخری گوشے میں گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی نظر آ گئی۔

”وانیہ! تم یہاں ہو، میں سارے کالج میں تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔“

وانیہ نے سر اٹھا کر مائرہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ساری رات نہ سوئی ہو۔ ”لگ رہا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ وانیہ جھنجھلا کر بولی۔ ”میں دائم کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اس کا مجھ سے رابطہ نہیں ہو پا رہا جب دیکھو موبائل آف ملتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں اُسے کیسے ڈھونڈوں۔“

”کیا ضرورت ہے اُسے ڈھونڈنے کی۔ شکر کرو تمہیں جلد ہی اس کی اصلیت کا پتا چل گیا۔ میں نے کہا تھا کہ اس طرح کی دوستی میں کچھ نہیں رکھا مگر تم نے میری بات رد کر دی تھی۔ تم جیسی باتیں اس نے نہ جانے کتنی لڑکیوں سے کی ہوں گی اور انہیں بےوقوف بنایا ہوگا۔“

”بجائے میری دلجوئی کرنے کے تم نے دائم کی بُرائی شروع کر دی۔ تم نام کی دوست ہو، مجھے تمہاری دوستی کی ضرورت نہیں۔ پلیز مجھے تنہا چھوڑ دو۔“

مائرہ نے ایک نظر وانیہ پر ڈالی اور وہاں سے چلی گئی۔

☆......☆......☆

”کافی دن ہو گئے وانیہ چپ چپ سی ہے۔“ سعد نے کن انکھیوں سے صحن میں کپڑوں کا ڈھیر دھونے میں مصروف وانیہ کو دیکھ کر رمشا سے کہا۔

”رخصتی کے دن نزدیک ہیں۔ اچھا ہے بی بنو خاموش رہیں۔ ان کی خاموشی میں عافیت ہے۔“ رمشا کی قدرے اونچی آواز میں کہی بات سن کر بھی وانیہ کچھ نہ بولی۔

”وانیہ! کیا بات ہے، ہم سے ناراض ہو۔“ سعد نے اندر کمرے سے آواز لگائی۔

”میں کیوں ناراض ہونے لگی آپ لوگوں سے! آپ لوگ میرے خیرخواہ ہیں۔“ وانیہ کے منہ سے یہ بات سن کر وہ دونوں حیران ہوئے کہ وانیہ حقیقتاً یہ بات کہہ رہی ہے یا طنز کر رہی ہے۔

”وانیہ! طنز کر رہی ہو؟“

”نہیں بھائی مجھے آپ اور باجی کی قدر ہو گئی ہے۔ آپ لوگ میرا بھلا چاہتے ہیں۔ میں ہی آپ کی باتوں کو غلط سمجھتی رہی۔“ وانیہ نے رسی پر موجود خشک کپڑے اتارتے ہوئے کہا۔

”شکر ہے تمہیں عقل تو آئی۔“ سعد کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ رمشا اور سعد مذاق میں اس پر جملے کستے رہے۔ وہ معنی خیز مسکراہٹ سجائے کپڑے دھونے میں مصروف رہی۔

کپڑے دھو کر وہ اپنے کمرے میں آئی۔ موبائل پر دائم کا میسج تھا۔ اس نے رات بارہ بجے کال کرنے کا کہا تھا۔ میسج پڑھتے ہی وانیہ یکدم فریش ہو گئی۔ سارا دن وہ بےقراری سے رات کا انتظار کرتی رہی۔ جوں ہی دائم کی کال آئی، اس نے فون فوراً اٹھا لیا۔

”کیسی ہو وانیہ؟“

”تمہارے بغیر کیسی ہو سکتی ہوں۔ اتنے دنوں میں فون کرتے ہو تم سے ملے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں۔ میرے کام کا کیا ہوا؟“ وانیہ نے کئی سوالات بیک وقت کر دیے۔

”تمہارے کام کے سلسلے میں، میں نے اپنے ایک وکیل دوست سے بات کی ہے۔“

”تم نے اس سے پہلے تو کبھی نہیں بتایا کہ تمہارا کوئی دوست وکیل ہے۔“

”یار میری اس سے کافی دنوں سے بات چیت بند تھی اس لیے میں نے تمہارے سامنے اس کا ذکر نہیں کیا۔ کل تم میری بتائی ہوئی جگہ پر آ جانا، میں اپنے دوست سے ملانے لے چلوں گا۔“

”یہ بتاؤ مجھے کہاں آنا ہوگا۔“ دائم اُسے تفصیل بتانے لگا۔ پھر بولا۔ ”تو پھر آ رہی ہو نا۔“ بات مکمل کرنے کے بعد وہ عجیب لگاوٹ آمیز انداز میں پوچھ رہا تھا۔

”آنا تو پڑے گا کیونکہ اپنا کام ہے۔“

”میں بھی تو تمہارا اپنا ہوں اور ہاں وانیہ تم پنک کلر کے کپڑوں میں آنا تم پر پنک کلر بہت سوٹ کرتا ہے، بالکل گلاب لگتی ہو۔“

”بس رہنے دو۔ اتنے دنوں بعد مجھ سے رابطہ کرتے ہو میں اداس ہو جاتی ہوں۔“ وہ ایک ادا سے بولی۔

”تمہاری اداسی جلد دور ہو جائے گی۔ میرا بس چلے تو گھنٹوں تمہاری خوبصورت آواز سنتا رہوں۔“

”باتیں بنانا کوئی تم سے سیکھے۔ میری نیندیں اڑا کر بےسکون کر دیا ہے۔“

”وانیہ! باقی باتیں کل ہوں گی۔ بہت تھکا ہوا ہوں، ابھی سونا ہے۔“ دائم کا لہجہ یکدم خشک ہو گیا۔ ”اوکے بائے۔“

وانیہ نے موبائل آف کرتے ہوئے کنپٹی مسلی پھر ساتھ سوئی ہوئی اپنی بھانجی پر ایک نظر ڈالی اور بستر پر لیٹ گئی۔

اگلے دن شام چار بجے وہ تیار ہو کر گھر سے نکلنے لگی۔ ”باجی میری سہیلی کی منگنی ہے وہاں جا رہی ہوں۔“

”یوں اکیلی مت جاؤ، میں زین سے کہہ دیتی ہوں، وہ تمہیں چھوڑ آئے گا۔“ رمشا نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں باجی میں زین کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ سارے راستے اس کی اور میری تکرار ہوتی رہے گی۔ میں اکیلی چلی جاتی ہوں، آخر کالج بھی تو جاتی ہوں۔“

رمشا سر ہلاتے ہوئے دوبارہ لیٹ گئیں۔ وانیہ تیز تیز قدم اٹھاتی گھر سے نکلی۔ وہ بس کے ذریعے مطلوبہ جگہ پہنچی۔ دائم نے اُسے پارک کا پتا بتایا تھا، وہاں سے ان دونوں کو وکیل سے ملنے جانا تھا۔ وانیہ پارک کے گیٹ پر پہنچی تو وہاں دائم موجود نہ تھا۔ وانیہ پارک کے گیٹ سے اندر داخل ہو کر ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔ پرس کھول کر اس نے موبائل نکالا ہی تھا کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا سعد بھائی سپاٹ چہرہ لیے کھڑے تھے۔ ”وانیہ تم یہاں کس سے ملنے آئی تھیں۔“ وانیہ کے حلق میں آواز پھنس کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

”امی! خالہ کہاں گئی ہیں؟“ وانیہ کی سات سالہ بھانجی زینب نے پوچھا۔

”کسی سہیلی کے گھر گئی ہیں۔“ رمشا نے چائے بناتے ہوئے جواب دیا۔ اسی وقت بیرونی دروازہ کسی نے پوری قوت سے کھولا کہ وہ لرز گئی۔ ساتھ ہی اُسے سعد کی آواز آئی۔ ”رمشا......!“ وہ پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

وہ گھبرا کر اٹھی اور کچن سے نکلی۔ سعد، رمشا کے ساتھ کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ بھی لپک کر اندر گئی۔

”سنبھالو اُسے۔“ اس نے ایک جھٹکے سے وانیہ کو اس کی طرف دھکیل دیا۔ ”پوچھو اس سے یہ پارک میں کس سے ملنے گئی تھی۔ میں جہاں داد کے گھر جا رہا تھا یہ مجھے پارک کی طرف جاتی نظر آئی، تمہیں بےوقوف بنا کر گھر سے نکلی ہوگی۔“

رمشا نے سوالیہ نظروں سے وانیہ کی طرف دیکھا۔ بجائے شرمندہ ہونے کے وہ زور سے چلائی۔ ”میری مرضی...... میرا جہاں دل چاہے گا جاؤں گی۔“

”دیکھا اسے۔ کیسے زبان چلا رہی ہے۔ ابھی اس کا دماغ ٹھیک کرتا ہوں۔“ سعد مارنے کے لیے آگے بڑھا۔

”رک جائیں پاگل ہو گئے ہیں کیا۔“ رمشا نے سعد کو روکنے کی کوشش کی۔ ”رمشا تم نے اُسے کالج جانے کی اجازت دلوائی تھی۔ دیکھ لیا کالج کے بہانے یہ کہاں گھومتی پھر رہی ہے۔ تین دن بعد زیاد واپس آ رہا ہے۔ اس کے آتے ہی میں اُسے اس گھر سے رخصت کر دوں گا۔ نیکی کا زمانہ نہیں رہا۔“ سعد بڑبڑاتے ہوئے گھر سے نکل گیا۔

”آج سے تمہارا باہر نکلنا بند، تم نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا ہے۔ بتاؤ کس سے ملنے گئی تھیں۔“

”باجی! آپ کو بتانے سے کیا حاصل ہوگا۔ میں جس شخص سے شادی کرنا چاہتی ہوں، آپ اس سے میری شادی کروا دیں گی؟“

”بالکل کروا دوں گی۔ ابھی اُسے فون کر کے یہاں بلواؤ۔ اگر وہ تم میں دلچسپی رکھتا ہے تو میں اس کے گھر والوں سے ملوں گی اور یقین کرو میں زیاد سے تمہارا نکاح خود ختم کرواؤں گی۔ کرواؤ فون۔“ رمشا کے پُریقین لہجے کو دیکھتے ہوئے وانیہ نے پرس سے موبائل نکال کر دائم کا نمبر ملایا۔ موبائل حسب معمول بند تھا۔

”کیا ہوا؟ فون بند ہے، تمہیں اس کے گھر کا پتا تو معلوم ہوگا۔ بتاؤ کہاں رہتا ہے، کہاں ملازمت کرتا ہے۔“ رمشا کے سوالوں کے جواب میں وانیہ ٹپٹا کر رہ گئی۔

دائم کے بارے میں اُسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا سوائے اس کے نام اور پیشے کے۔

”جاؤ اپنے کمرے میں، یہ موبائل مجھے دو۔“ وانیہ سر جھکا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اس رات وہ ساری رات نہ سو سکی۔ اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہی۔ صبح کو وہ اس وقت کمرے سے باہر نکلی جب سعد دفتر چلے گئے۔ زین ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ ”ذرا اس جنونی قاتل کو تو دیکھیں، صورت سے کتنا معصوم لگ رہا ہے۔ سات لوگوں کو اس نے قتل کیا ہے۔“ زین نے دال چنتی رمشا سے کہا۔ وانیہ نے غائب دماغی سے ٹی وی اسکرین پر نظریں جما دیں۔ اس کی نگاہ وہیں منجمد ہو گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر یوں دیکھنے لگی جیسے اُسے یقین نہیں آ رہا ہو۔ ٹی وی پر جس قاتل کے متعلق نیوز چل رہی تھی۔ وہ کوئی اور نہیں دائم تھا۔

اس وقت اُسے مائرہ کے کہے ہوئے الفاظ یاد آئے۔ ”وانیہ کسی اجنبی پر بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ تم دائم کے متعلق کچھ بھی تو نہیں جانتیں۔“

اتنا بڑا دھوکا۔ یہ شخص میرے جذبات کا قاتل ہے۔ یہ سوچتے ہی وانیہ بلند آواز میں رونے لگی۔ رمشا اُسے روتا دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ وہ اُسے چپ کرانے لگی مگر اس کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

کافی دیر بعد جب دل کا غبار نکل گیا تو وہ رمشا سے بولی۔ ”باجی آپ مجھے معاف کر دیں۔ میری وجہ سے سعد بھائی کے سامنے آپ کو شرمندہ ہونا پڑا۔ آئندہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“

”شکر ہے تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ دیکھو کل سے اس لڑکے کا نمبر بند پڑا ہے۔ وہ دوسری سم پر کسی اور لڑکی کو بےوقوف بنا رہا ہوگا۔ تم بہت بھولی ہو وانیہ! ہر ایک پر بھروسہ کر لیتی ہو۔“

وانیہ کچھ نہیں بولی۔ اس کے پاس کہنے کے لیے بچا ہی کیا تھا۔

(ختم شد)

itsurdu.blogspot.com